ڈاکٹر روبینہ شہناز

صدر شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ڈاکٹر عطش درانی کی ''اصولِ ادبی تحقیق'' کا تجزیاتی مطالعہ

Dr. Rubeena Shahnaz

Head of Urdu Departmnet, National University of Modern Languages, Islamabad

Anlytical Study of Literary Research by Dr. Atish Durrani

There are many works in urdu about litereray and linguistic rasearch methodology . but the book written by Dr atash Durani has its own importance and merits. this article presents an analytical study of the book so that the main features of this book should come in light.

اُردو میں ادبی اور لسانی تحقیق کے اصولوں، تکنیکوں اور طریقوں کے حوالے سے ان دنوں بہت کچھ سامنے آ رہا ہے۔ ان میں تین کتب اب تک سب سے اہم رہی ہیں۔ فنی تدوین کے حوالے سے ڈاکٹر خلیق انجم کی **متنی تنقید** (۱۹۶۷ء)، عمومی تحقیقی مقالہ نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر گیان چند جین کی **تحقیق کا فن** (۱۹۹۰ء) اور جدید تحقیقی اصولوں کی روشنی ڈاکٹر عطش درانی کی **جدید رسمیات تحقیق** (۲۰۰۵ء)۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن کی تحقیقی شرائط کی بنا پر اب اُردو میں بھی جدید اور سائنٹیفک تحقیق اصولوں کی راہ استوار ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اب ڈاکٹر عطش درانی کی ایک اور کتاب **اصولِ ادبی تحقیق (تکنیکی امور)** (۲۰۱۱ء) سامنے آئی ہے۔ یہ سابقہ کتب سے بہتر اور ایک اہم اضافہ نظر آتی ہے۔ اس میں نیا کیا ہے؟ ذیل میں اس کا ایک محاکمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ **جدید رسمیات تحقیق** میں ڈاکٹر عطش درانی کا خیال تھا (۴:۷ ت):

> ''جہاں تک جدید تحقیقی اصولوں کا تعلق ہے، یہ حقیقت ہے کہ ان کا گزر ابھی اردو اور پاکستانی زبانوں کے شعبوں میں نہیں ہوا۔ وہاں طرز کہن پر اڑنے کا شدید ردِ عمل والا رویہ پایا جاتا ہے۔''

جدید تحقیقی اصولوں پر ڈاکٹر احسان اللہ خان کی کتاب پہلی ضابطہ تو ٹھہرتی ہے جو بیانیہ تحقیق (سروے وغیرہ) کو قابل اعتماد ٹھہراتی ہے (۹۲:۱) اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان سے لے کر ڈاکٹر تبسم کاشمیری تک ایسی تمام کتابیں دراصل تعلیمی تحقیق کی کتابوں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی خالص ادبی تحقیق کے جدید تر اصولوں کے حوالے سے پہلی کتاب اصولِ ادبی تحقیق ہی سامنے آتی ہے۔ ڈاکٹر عطش درانی جدید تحقیقی اصولوں پر تو سابقہ کتاب میں تفصیلات دے چکے ہیں۔ اصولِ ادبی تحقیق میں انھوں نے کئی نئے ابواب مثلاً مغرب میں تحقیق کی تاریخ، اردو میں تدوین متن کا جائزہ، اردو اطلاعیات اور برقیاتی تحقیق، ادبی تحقیق کا مستقبل شامل ہیں، نئے تصورات بھی اس کتاب کا حصہ ہیں جسے عالمانہ تحقیق، عالمانہ انتقاد، تنقیدی ادعا، متنی علمیت، معاصر جائزہ، تحقیقی گرو، سائنسی تدوین، برقیاتی تحقیق، قرطاس تحقیق، ادبی سماجیات وغیرہ اصولِ تحقیق کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں (۱۵:۶):

''سائنسی میدان ہو یا اُردو ادب یہ تلاش اور تصدیق جب تک ایک باضابطہ طریق کار یا رسمیات کی پابند نہ ہو تحقیق نہیں کہلا سکتی۔ یہ پابندی منطقی اور معروضی ہوتی ہے۔ علمیاتی سطح پر اس تحقیق کا ایک حیطۂ کار یا نظریہ ہوتا ہے، جس کی حدود کے اندر سارا تحقیقی عمل انجام پاتا ہے۔''

آگے چل کر لکھتے ہیں (۱۹:٦):

''اردو میں ابھی تک ادبی تحقیق کی اپنی ماہیئت کا سوال بہت کم اٹھایا گیا ہے اور کوئی تحقیقی نظریہ تو کجا ادبی نظریہ بھی قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ یعنی اُردو میں تحقیقی سوال اپنی معروضی حدود میں قائم ہی نہیں کیا جاتا۔''

تحقیق کو عالمانہ تفتیش قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تحقیق ایک عالمانہ تفتیش ہے، جو کوئی معاشرہ نئے علم کی تخلیق کے لیے انجام دیتا ہے۔ ادبی تحقیق تخلیق کار کی دنیا اور تجربات کو محسوس کرنے کے لیے پیدا ہونے والے سوالوں کا جواب تلاش کرتی ہے۔ یہ سوالات کرداروں، منظروں، ثقافتوں، اسلوبوں، خیالوں اور ادبی تحریکوں سے متعلق ہو سکتے ہیں اور ان کا جواب سماجی، ثقافتی، نفسیاتی اور فلسفیانہ علوم کے حوالے سے دیا جا سکتا ہے جس کے لیے ادب میں سماجی/عمرانی تحقیق کے اصولوں کو برتا جاتا ہے۔''

ان کے نزدیک: (۸۵:٦)

'' اُردو میں ''بڑی تحقیق'' کا مقام خالی پڑا ہے جو علم کی تخلیق اور اضافے کے حوالے سے عالمی سطح پر کوئی مقام حاصل کر سکے۔ ''جدید تحقیق'' کا ڈسپلن ایسے جری تحقیق کاروں کا منتظر ہے، جو اُردو کو بھی تحقیق کی دنیا میں عالمی سطح پر روشناس کرا سکیں۔ یاد رہے کہ عالمی سطح کے کاموں کا صرف انگریزی میں ہونا ضروری نہیں، عالمی پایے کا ہونا ضروری ہے۔''

علم زبان اور ثقافتی تجزیوں کے حوالے سے اُردو تحقیق کے دو پہلے ان کے نزدیک اہم ہیں۔ لکھتے ہیں (۲۰:٦):

''ادبی تحقیق کو جن نئے مسائل، سوالات اور چیلنجوں سے واسطہ پڑ رہا ہے، ان میں سرِ فہرست تو اس کا سائنسی اور معروضی ہونا ہے اور دوم علمِ زبان (Philology) کی طرف اس کی مراجعت اور ثقافتی یلغاروں کا مطالعہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ نیدرلینڈ کے ہارفیم (Harpham) اور نوننگ (Nunning) نے دوسرے مرحلے کے ان پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اس کا لبِ لباب یہ ہے کہ کوئی بھی ادبی تحقیق محض جمالیات کی حدود سے وسیع تر ہو کر سیاسی، سماجی، ثقافتی اور لسانی پہلوؤں کا احاطہ بھی کرتی ہو تو اسے عالمانہ انتقاد میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس بحث کا آغاز **استشراق** (Orientalism) کے مصنف ایڈورڈ سعید نے اپنی کتاب **Humanism and Democratic Criticism** (2004) میں کیا تھا۔ ان تمام مقاصد کے حصول کے لیے اب قدیم علمِ زبان کی طرف مراجعت ہو رہی ہے۔ اس لیے ادبی تحقیق کار کو علمِ زبان میں گہرے درک کی ضرورت ہے جو تحقیق کے اصول و مبادی کا گہرا فہم اور ادراک حاصل کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتا ہے۔''

اب تک کی اردو تحقیق کو ڈاکٹر عطش درانی بلا ضرورت انجام دی گئی تحقیق قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: (۱۳۲:٦)

''کئی کام غیر ضروری طور پر بھی انجام دیے گئے ہیں اور کئی کام ادھورے رہ گئے ہیں۔ جہاں تک تحقیقی ضروریات کا تعلق ہے، ان میں سے بہت سے کام شاید ہی ایسی کوئی ضرورت پوری کرتے ہوں۔ بیشتر کام ذاتی رسائی یا خواہشوں پر انجام پائے، اُردو کے مؤرخ کو بھی ان کی کم ہی ضرورت پڑے گی۔ مستقبل میں ایسے کام صرف ضرورت پر مبنی انجام دیے جائیں تو تدوین وتحقیق کا فرض صحیح معنوں میں ادا ہو سکے گا۔ اب تک اُردو تحقیق کا مقصود صرف متون کی صحت رہا ہے جو ادبی تحقیق کا منصب ادا نہیں کر پاتا کیونکہ متن محض تحریری پہلو نہیں رکھتا جس کے لیے تحقیق کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ متن ایک پیچیدہ نفسیاتی اور سماجی یا عمرانی عمل ہے جس پر معنویات اور ثقافتیات کے حوالے سے تحقیق درکار رہوتی ہے، اس لیے یہ متنی تاریخ کا کام کوئی خاص تحقیقی کارنامہ قرار نہیں پاتا۔''

یہ ضرورت یا مقصود ان کے نزدیک عالمانہ انتقاد ہے جس میں تنقیدی ادعا غیر ضروری ہے۔ لکھتے ہیں: (۱۹:۶)

''ادبی تحقیق کا مقصود اور منتہا بالآخر'' عالمانہ انتقاد'' (Scholarly Criticism) ہی ٹھہرتا ہے، جسے معاصر جائزہ (Peer Review) ہی قابلِ قبول بنا سکتا ہے۔ معاصر جائزے کے لیے تحقیق کی اشاعت ضروری ہے۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: (۲۰:۶)

''بالآخر عالمانہ انتقاد کا مرحلہ آتا ہے اور تحقیق کار خود کو عالم یا سکالر کے طور پر پیش کرتا ہے۔ کوئی نئی توجیح، نیا نظریہ یا نیا پہلو دریافت کر کے سامنے لاتا ہے۔ وہ اپنی تحقیق کسی خاص قرطاسِ تحقیق کے اُسلوب میں پیش کرتا ہے۔ وہ ایسا کیوں کر کر سکتا ہے، ان تمام پہلوؤں کا جاننا ادبی تحقیق میں بنیادی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔''

آگے چل کر اس راستے کی بڑی رکاوٹ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (۲۳:۶)

''ادبی ولسانی تحقیق میں عام طور پر تنقیدی ادعا (Dogma) سے کام لیا جاتا ہے لیکن تحقیقی وثوق تک پہنچنے کے لیے بہت محنت اور کارگزاری درکار رہوتی ہے، جس کی طرف ادبی تحقیق کو بھی قدم اٹھانا ہے۔ کوئی بھی ادبی تحقیق صرف اس وقت قابلِ قبول ہوگی جب اسے شائع کر کے معاصر جائزے کے لیے پیش کیا جائے گا اور دیگر اہلِ علم اس کی توثیق کر دیں گے۔ یہی تحقیق کا اعتبار ہے۔ اس منزل تک پہنچے کے لیے تحقیق کار کو سکالر شپ یا عالمانہ انتقادی بصیرت تک پہنچنا ہوتا ہے۔''

ان کے نزدیک یہ علمیت تنقیدی بصیرات کا دوسرا نام ہے: (۴۰:۶)

''ادبی تحقیق کی سب سے اعلیٰ منزل عالمانہ انتقاد (Scholarly Criticism) ہے۔ اس اصطلاح کو علمِ تنقید کے مغالطے میں نہ لیا جائے۔ یہ علمیت (Scholarships) کی تنقیدی بصیرت (Vision) کا دوسرا نام ہے۔ یہ ایسے اصولوں اور اطلاقات کے طریقے استعمال کرنے کا عمل ہے، جس سے محقق کا نظریہ دنیا میں قابلِ قبول ٹھہرے۔ دوسرے اسے تسلیم کریں اور قابلِ تقلید ٹھہرائیں۔''

متنی تدوین بھی ان کے نزدیک ایک علمیت کا اظہار کرتی ہے: (۴۲:۶)

''متنی تدوین (Textual Criticism) یا مخطوطہ شناسی کے حوالے سے یہ علم اب متنی علمیت (Textual

(Scholarship) کہلاتا ہے۔جس کی بنیاد 1994ء میں ڈیوڈ گریتھم (Greetham) نے رکھی تھی۔''

عالمانہ انتقاد یا متنی علمیت کو بھی صرف معاصر جائزے کے ذریعے ہی پرکھا جاسکتا ہے: (۴۱:۶)

''اس موضوع پر تکنیک کے حوالے سے بیٹ سن نے بہت عمدہ کتاب **The Scholar Critic** کے نام سے تحریر کی ہے جو قابلِ توجہ ہے۔اس کے لحاظ سے تحقیق کار کو سکالر کی حیثیت اختیار کرنے کے لیے اپنی تکنیک اور طریقوں میں بے حد احتیاط اور معروضیت کی ضرورت ہوتی ہے جو سائنٹیفک طریقے کو اپنائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔محض اپنی بات کہہ دینا کافی نہیں ہوتا اور نہ تحقیق کار اور مقالہ نگار پیغمبر کا درجہ رکھتا ہے جس کی کہی یا لکھی ہوئی بات بلا چون و چرا قابلِ تسلیم ہو۔انھی معروضی نکات یا تحقیقی اُسلوب کی روشنی ہی میں اس کے عالمانہ انتقاد کو پرکھا جا سکتا ہے۔معاصر جائزہ ہی ادبی تحقیق کو قابلِ قبول بنا سکتا ہے۔

دورِ جدید میں ایسے سکالر یا عالم کے لیے انگریزی میں گُرو (Guru) کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے، جو اپنی عالمانہ بصیرت کی بنا پر قابلِ قدر رہتا ہے۔یہ گُرو مقتدی نہیں پیشوا ہوتے ہیں۔ادب میں ایسے مؤرخ اور نقاد،نظریہ ساز اور محقق نظر آتے ہیں جو گُرو کا مقام پاتے ہیں۔اگرچہ ان کا آغاز یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں میں ملازمت کرنے سے ہوتا ہے لیکن بالآخر وہ ''آزاد'' حیثیت سے مانے جاتے ہیں، جیسے جان لے ادبی نظریے کے گُرو ہیں۔ادبی تحقیق کار کو بالآخر علمی گُرو کا مقام پانا ہوتا ہے۔''

عالمانہ بصیرت، تحقیقی گرو اور معاصر جائزے کی تائید میں مزید لکھتے ہیں: (۱۳:۶)

''کسی بھی لسانی پہلو یا روّیے اور ادبی رائے یا نظریے کی صداقت تحقیق ہی سے سامنے آ سکتی ہے، جس کے لیے با قاعدہ تحقیقی اُصول اور طریقے متعین ہیں۔اس کے اقدامات طے شدہ ہیں۔انھی کے مطابق عمل ہوگا تو تحقیق تسلیم ہوگی بصورتِ دیگر اعلیٰ عالمانہ بصیرت یا سکالرشپ تو مان لی جائے گی، اسے تحقیق نہیں کہا جا سکے گا۔ادبی تحقیق کا گُرو (Guru) بننے کے لیے علمِ تحقیق کے اُصولوں، تکنیکوں اور طریقوں پر عبور رکھنا، لسانیات، شماریات، سماجیات، نفسیات وغیرہ کا گہرا ادراک ہونا اور عالمانہ نقد و نظر اور بصیرت کا حامل ہونا ضروری ہے، جس کے پس منظر میں کوئی ادبی تحقیق کا نظریہ بھی کارفرما ہوگا۔''

تحقیقی گرو کی علمی بصیرت کے حوالے سے اُردو کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں: (۴۲:۶)

''اس لحاظ سے اُردو میں ابھی تک اعلیٰ متنی تنقید کا کوئی شاہکار وجود میں نہیں آ سکا۔اس پہلو سے بھی اُردو میں متنی تدوین عالمی سطح تک نہیں پہنچ پائی۔یہ سائنس متن کی اغلاط اور ان کی تصحیح سے متعلق ہے لیکن یہیں پر تعبیر اور سیاق و سباق کے گہرے ادراک کی منزل آتی ہے۔استدلال اور عقلِ سلیم اس کے ہتھیار ہیں۔یہ طبعی علم کی طرح کی سائنس نہیں ہے۔یہ سطور اور حروف کی سائنس ہے، جس میں معنی کسی سیال کی مانند ہوتے ہیں۔علمی بصیرت انھی میں غوطہ زن ہو کر معانی تلاش کرتی ہے۔اسے ہُنر کہا جا سکتا ہے۔کسی گُرو کا ہُنر۔یہ ہُنر علمیت کی عادت سے وجود میں آتا ہے۔چنانچہ ادبی تحقیق زندگی بھر کی عادت بن جائے تو عالمانہ شان پیدا ہو سکتی ہے۔کوئی شخص نقاد یا عالم

پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ اُسے سیکھنے اور مسلسل مشق سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے ہر شخص ادبی گُرو نہیں بن سکتا جبکہ ہر ذہین شخص ایسا بننے کے لیے کوشش کرسکتا ہے۔''

اُردو میں تحقیق اور تحقیقی گرو کے مقام اور عالمانہ بصیرت کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے: (۶:۱۰۲)

''اُردو میں تحقیقی کاموں کے ضمن میں ایک اور رویہ اُردو کے جامعاتی شعبوں میں ''رواداری'' اور ''چلت'' کاموں کا انداز ہے۔ اس کے لیے عام دلیل یہ دی جاتی رہی ہے کہ دوسرے مضامین کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے اُردو میں زیادہ سے زیادہ ڈاکٹر پیدا کیے جائیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اُردو میں زیادہ سے زیادہ کڑے معیار پر مبنی مقالات وجود میں لائے جائیں۔ اسی سے دوسرے مضامین کے مقابلے میں اُردو بہتر ہوسکتی ہے۔ معیار کے حصول کا یہی طریقہ ہے کہ اُردو کی ادبی تحقیق کو سائنٹیفک اُصولوں پر اُستوار کیا جائے اور ادبی تحقیق میں بھی دنیا کے ساتھ ہم قدم ہوا جائے۔ اُردو میں ابھی تک تحقیق کا کوئی گُرو سامنے نہیں آیا، جو علمِ تحقیق اور تحقیقی کاموں میں اپنی عالمانہ بصیرت اور سکالرشپ کا مظاہرہ کرسکتا۔ یہ میدان ابھی دُور دُور تک خالی پڑا ہے۔''

شماریات پر عبور ان کے نزدیک اس کے لیے لازم ہے: (۶:۲۳۷)

''تحقیق کے گُرو کو شماریاتی پہلو سے بھی مہارت پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر جدید مغربی اصطلاح کے طور پر گُرو کہتے ہی ایسے شخص کو ہیں جو ایسے تمام کوائف، اعداد و شمار، فارمولوں اور تکنیکوں پر عبور رکھتا ہو۔ وہ حسابی یا شماریاتی مسائل کا حل تلاش کرسکے اور ایسے امور میں اسی سے رجوع کیا جاسکے۔''

احوال اگر شمار کی فرسودہ تحقیق کی بجائے اُردو میں مطالعۂ احوال کا سائنٹیفک طریقہ تحقیقی گرو کی مہارت کا ثبوت ہوگا۔ لکھتے ہیں (۶:۲۴۴)

''اُردو تحقیق میں مطالعہءاحوال کا طریقہ ابھی تک بہت کم استعمال کیا گیا ہے۔ محققین اس نوعیت کے علمی کام کی طرف توجہ دینا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ گریز کرتے ہیں۔ وہ ایسی تحقیق کو صرف حقائق کی تلاش اور اعداد و شمار کا نام گردانتے ہیں۔''

زیادہ تر کام ادبی شخصیت کا تذکرہ یا احوال و آثار ہوتا ہے اور اس کے لیے تاریخی تحقیق کا طریقہ ہی مناسب ہے، چنانچہ اب اسے مطالعہءاحوال کی صورت میں بدل لینا چاہیے۔ صاف ظاہر ہے کہ اُردو کے اعلیٰ سطحی کورسوں میں اصولِ تحقیق کے ساتھ مطالعۂ نفسیات کو بھی شامل کرنا ہوگا۔ ادبی تحقیق کے گُرو کو اس پہلو سے بھی ماہر ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔'متنی تنقید آپ کے خیال میں متنی علمیت ہے۔ لکھتے ہیں: (۶:۱۰۳)

''مغرب کے برعکس اُردو میں متنی تدوین (Text editig) کی روایت زیادہ قدیم نہیں، اسے متنی تنقید کا نام حال ہی میں ملا ہے۔ اُردو میں متنی تنقید مخطوطہ شناسی، گمنام متون کی تلاش اور بعض قدیم مطبوعات کے تعارف تک محدود رہی ہے۔ نظم، نثر، تذکرہ نگاری کسی بھی شعبے میں بہت بڑے عالمانہ انتقاد یا اعلیٰ سطح کی متنی تنقید کا شاہکار اعلیٰ علمی بصیرت کے ساتھ ابھی وجود میں نہیں آیا۔ البتہ اس طرف اُردو تحقیق کا سفر ابھی جاری ہے۔ کسی خاص ادیب کے کاموں کے مطالعے میں ابھی صرف ''غالبیات'' اور اقبالیات جیسے موضوعات ہی اہمیت حاصل کرسکے ہیں۔''

اعلیٰ متنی تنقید ان کے نزدیک اب سائنٹیفک اور کمپیوٹر کے ذریعے انجام دیا جانے والا کام ہے۔ لکھتے ہیں (۱۵۶:۶)

''کتابی نسخوں کی تدوین کو سائنسی تحقیق کا جزو ماننے میں علمائے تحقیق کو ہمیشہ تامل رہا ہے جبکہ اعلیٰ متنی تنقید میں نسخہ پیمائی کو سائنسی طریقوں سے بھی روبہ عمل لایا جاسکتا ہے۔ شرط صرف سائنسی ذہنیت اختیار کرنے کی ہے۔ دورِ جدید میں یہ کام کمپیوٹر کی مدد سے انجام دیا جاسکتا ہے۔ اطلاعیات کا میدان اس کے لیے خاصا سرگرم ہے۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ دو نسخوں کو باہم جانچنے کے لیے اطلاعیات کا علم اور تکنیک استعمال کی جائے اور نظریۂ اطلاعات کے سافٹ ویر کو استعمال کر کے اس سے حاصل شدہ لفظیات کے ''فاصلے'' کا تجزیہ کیا جائے۔ نظریۂ اطلاعات کا یہ انداز شینون جیسے محقق نے برقیاتی ابلاغ کے حوالے سے پیش کیا تھا۔ آج یہ نظریہ کمپیوٹر سائنس، موبائل فون، خفیہ نگاری، حیاتیات اور طبیعیات کے علاوہ ابلاغ اور ادبیات کے لیے بھی استعمال ہو رہا ہے۔ یہ اکیسویں صدی کی پیداوار اور تحفہ ہے۔''

اس سلسلے میں کئی طرح کے سافٹ ویر آچکے ہیں۔ اُردو میں تجویز کرتے ہیں: (۱۸۶:۶)

''اختلاف نسخہ جات معلوم کرنے کی بھی کئی تکنیکیں وضع کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن ہمارے اکثر تدوین کار کسی نسخے کی تدوین کے بعد ان سب باتوں کو درج کرنا تحقیق کی شان سمجھتے اور یوں ''محقق'' بننے کا عمل پورا کرتے۔ جدید سائنسی تحقیق میں یہ سب کچھ ''گردِ راہ'' ہے جسے ''منزل'' پر موجود نہیں ہونا چاہیے مگر اُردو کے تدوین کاروں کا کیا کیا جائے کہ وہ اسی کی پیش کش کو تحقیق اعظم قرار دینے پر مُصر ہیں۔ اپنے آلات کار اور حساب کاری ہی کو ''کارنامہ'' سمجھتے ہیں۔ ایسے تمام پہلوؤں کو یہ سافٹ ویر سنبھال سکتا ہے۔ نتیجے کے طور پر نسخوں کی قدامت، استناد، الفاظ اور عبارتوں کی صحت اور درست نسخ کی بنیاد حاصل ہوتی ہے۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: (۶۳:۶)

''برمنگھم یونیورسٹی میں Institute for Textual Scholarship and Electronic Editing اب کمپیوٹر کے طریقوں کو بنیادی قرار دے کر اپنا کام آگے بڑھا رہا ہے۔ پی ایچ ڈی کے کئی طلبہ اس ادارے میں اپنا تحقیقی کام انجام دیتے ہیں۔ کینٹر بری ٹیلز کا کمپیوٹر تدوین کا منصوبہ اسی ادارے کے تحت انجام پذیر ہوا ہے۔

ایسے کئی ادارے دنیا میں حرف، لفظ، متن اور متنی علمیت کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔ جیروم میک گان (McGonn) اور پی آر ون پوٹر (Potter) اس بات پر تشویش میں مبتلا ہیں کہ عالمانہ تدوین اور متنی علمیت برقیاتی آلات کے خطرے میں گھری ہوئی ہے۔ کسی پر واضح نہیں ہو رہا کہ یہ نئی دنیا کمپیوٹر کے ذریعے کیا کیا انقلاب لا سکتی ہے۔''

اُردو میں یہ برقیاتی تحقیق کس طرح کی ہوگی۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (۲۷۷:۶)

''اُردو کی ادبی برقیاتی تحقیق (e-research) میں ابھی اسے بہت سے در وا کرنے ہیں۔ مثلاً:

1- اُردو میں ادبی تحقیق کو برقیاتی ذرائع سے انجام دینا، اس میں متون کا برقیاتی یا کمپیوٹری تجزیہ اور

اعداد و شمار یا کوائف کی جدولیں اور تجزیہ شامل ہیں، جن سے تحقیق کار کی برسوں کی محنت لمحوں میں بدل جائے گی۔

2- تحقیقی مقالہ جات کی کمپیوٹر ہی پر تیاری۔

3- تحقیقی رپورٹوں/ مقالوں کی ویب سائٹ کا قیام اور اشاعت کے لیے کمپیوٹر کے ذریعے ترسیل۔ یہ تمام امور اُردو کی ادبی تحقیق کو کمپیوٹر کی مدد دینے کا آغاز کرتے ہیں۔

اُردو میں کمپیوٹر کی تعلیم کو اہمیت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں: (۲۸۰:۶)

''اکیسویں صدی کے اُردو کے اساتذہ کا اب یہ فرض بنتا ہے کہ وہ صرف خود اس نئی ٹکنالوجی کو سمجھیں بلکہ طلبہ میں بھی نئی برقیاتی ثقافت کا شعور اجاگر کریں اور جو کام طلبہ پہلے مہینوں اور برسوں میں کرتے تھے، انھیں اس کی مدد سے لمحوں اور ثانیوں میں بدلنے کی کوشش کریں۔ اُردو کی دنیا میں یہ ایک نئی چوھدی یا حیطہ (Paradigm) وضع ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے جہاں تحقیق کے انداز بدلیں گے، وہیں تحقیق کی سوچ بھی بدلے گی۔ بہت سے جدید مصنفین نے کہا ہے کہ کمپیوٹر کے استعمال سے تحقیق مقامی سے عالمی سطح کا رخ کرے گی اور یوں اس کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ ذہانت کے ساتھ ساتھ کڑے سے کڑے معیار کی تحقیق انجام دینے کی عادت پیدا ہوگی۔ ہر تحقیق ما قبل اور مابعد نتائج کی حامل ہوگی اور بہتر معاصر جائزے (Peer Review) کے لیے تیار رہے گی۔ اس سے اُردو کی تدریس بھی بہتر ہو سکے گی اور تحقیق کو بھی وثوق حاصل ہوگا۔

برقیاتی تحقیق کے ذریعے سے اُردو کے مقالے حجم میں مختصر، نکات وار اور نتیجہ خیز ہو جائیں گے۔ ہر عمر، جنس، نسل، طبقے، درجے، سطح، موضوع اور صنف کے لحاظ سے مختلف انداز میں تحقیق انجام دی جا سکے گی اور تحقیق کا زور طریقِ کار، حاصلات اور نتائج پر ہوگا نہ کہ عبارت آرائی پر۔''

اس کام کے کئی مراحل ہیں۔ جنھیں انجام دیا جانا چاہیے یعنی: (۲۸۳:۶)

''طباعتی ثقافت سے برقیاتی ثقافت (e-culture) کی طرف منتقلی کے لیے اُردو اطلاعیات پر مبنی ادبی برقیاتی تحقیق کو گویا تین مرحلے طے کرنا پڑیں گے:

1- ابتدائی لغات اور متون کی تیاری (اندراجی الفاظ کے ساتھ۔ اشاریہ بندی)۔

2- معنویاتی تجزیہ (اسم خاص کی درجہ بندی، الفاظ کے خواص کا اندراج)۔

3- نئے اور پرانے کارپس کا ربط (امتزاج اور افتراق دونوں حوالے سے)۔''

اُردو کی ادبی تحقیق کو بطور تحقیق منوانے کے لیے معاصر جائزے اور اثراتی عامل کا خیال کرنا ہوگا۔ لکھتے ہیں: (۲۸۷:۶-۲۸۸)

''ادبی محقق اپنے طریقِ تحقیق میں بے حد کمزور نظر آتا ہے اور وہ معاصر جائزے (Peer Review) کے نہ ہونے سے مار کھاتا ہے۔ اس کی پیمائشیں موضوعی اور کمزور ہوتی ہیں۔ چنانچہ معروضی پیمائشوں کے لیے اسے علمِ زبان (Philology) ہی کا سہارا لینا پڑے گا، جو مصنف کے ذہن اور ادبی دنیا کے حوالے سے تخلیق کا ایک پہلو ہے۔ الفاظ کو سمجھنے کے لیے ذہن اور دنیا کو سمجھنا ہوگا۔ یہاں ہمیں سماجی، ثقافتی پہلو کا مطالعہ شامل کرنا پڑتا ہے۔

اس وقت دنیا میں ایک سوال بہت ابھر کر سامنے آ رہا ہے کہ کیا ادبی تحقیق کے لیے کام کے موضوعات ختم ہو گئے ہیں؟ ادب کے تحقیق کار یا تو نقل در نقل چل رہے ہیں یا پھر ان کے پاس کوئی تحقیقی مسئلہ موجود نہیں۔ اس سوال کے پیدا ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر اگلی تحقیق سابقہ تحقیق میں پیدا ہونے والے سوالات سے جنم لیتی ہے لیکن یہاں ادبی تحقیق کا ہر موضوع دوسرے سے منفرد، جدا اور مختلف ہوتا ہے، اس لیے دراصل وہ کوئی موضوع ہی نہیں ہوتا۔ ہارٹ مین اور نوننگ نے اس کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اُردو میں تو اور بھی بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہاں تنقیدی نظریات تو بڑے شدومد کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں لیکن کوئی ادبی نظریہ تحقیق کی بنیاد نہیں بنتا۔ چنانچہ دنیا بھر میں ادبی تحقیق نے جہاں علمِ زبان کا سہارا لیا ہے وہیں موضوع کی تلاش میں ''ثقافت'' کو مرکز ٹھہرایا ہے جو سماجی مطالعے کا ایک بڑا اہم پہلو ہے۔ تمام تحقیقی فرضیے اسی کے گرد وضع ہوں اور تمام نتائج اسی کا حوالہ دیں تو ادبی تحقیق کا ''موضوع'' ابھر سکتا ہے۔ اُردو تحقیق کو بھی اپنے تحقیقی موضوعات کا دائرہ کار متعین کرنا ہے۔ اُردو تحقیق کی منزل اور راستہ اب یہی ہے۔ اگر اُردو تحقیق کو عالمی سطح پر کوئی مقام پانا ہے تو ایسی ہی راہوں پر چلنا ہو گا اور ان فضولیات سے جان چھڑانا ہو گی جن کے طومار تحقیق کے نام پر بلند کیے گئے ہیں۔''

ادبی تحقیق کے موضوعات ان کے نزدیک دو دائروں ''علم زبان'' اور ''ثقافت'' میں گھومتے ہیں۔ لکھتے ہیں: (۲۸۸:۶)

''اُردو میں بھی مستقبل کے تحقیق کار کو علمِ زبان اور علم ثقافت سے آگاہ ہونا ہو گا اور اپنے تحقیقی موضوع کو انھی حوالوں سے محدود کرنا ہو گا۔ چنانچہ لسانی اور ثقافتی مطالعے بھی نفسیات کی طرح ادبی تحقیق کے اعلیٰ سطحی کورسوں کا حصہ ہونا چاہئیں یا طالب علم کو سماجیات/عمرانیات کا بھرپور علم ہونا چاہیے۔ اُردو کے اعلیٰ سطحی نصاب میں علمِ زبان اور عمرانیات کو بھی اب علمِ تحقیق کے ساتھ ساتھ شامل رکھنا چاہیے۔''

یہ چیز سماجی ادبیات کا تقاضا کرتی ہے اور سماجی تحقیق کسی نہ کسی نظریے پر استوار ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں: (۲۸۹:۶)

''اُردو تحقیق ابھی اپنا سماجی نظریہ تلاش کرنے کے دورانیے میں ہے۔ اگرچہ اُردو میں کبھی سماجی عمل کو تحقیقی موضوع نہیں بنایا گیا۔ توجہ محض ادبی متون ہی پر رہی ہے جن کا محض صحت یا انتقاد کے حوالے سے جائزہ لیا جاتا رہا ہے جبکہ ادبی متن کے کئی سماجی پہلو بھی ہوتے ہیں جن کی حقیقت تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن نظریہ (Theory) خواہ اثباتیت کا ہو یا مابعد اثباتیت کے متعدد نظریات، اُردو تحقیق میں ابھی داخل نہیں ہو سکا۔ سماجی مطالعات کے لیے اُردو کی ادبی تحقیق کو اب اپنا تحقیقی نظریہ وضع کرنا ہو گا۔ یہی اس کی بقا کا ضامن ہو گا۔''

اُردو میں تحقیقی رپورٹ یا مقالہ پیش کرنے کے لیے طرزِ ہیئت یا قرطاس تحقیق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (۴۰۱:۶)

''اُردو میں قرطاسِ تحقیق (Research Paper) تیار اور پیش کرنے کے لیے جس طرزِ ہیئت (Style Format) کی ضرورت ہے، اس میں اُردو دانوں کے ہاں بات ابھی تک خلطِ مبحث سے آگے نہیں بڑھی۔ جبکہ عالمی سطح پر اس مقصد کے لیے بہت سے اسالیب یا طرز (Styles) زیرِ استعمال ہیں۔ اُردو میں اگر طرزِ ہیئت استعمال کرنے کی بات ہوتی بھی ہے تو یہاں ایک بنیادی مغالطہ اور ایک بنیادی استرداد موجود ہے۔

بنیادی مغالطہ: پوری اُردو دنیا میں تحقیقی مقالے صرف ایک طرزِ ہیئت استعمال کریں۔

بنیادی استرداد: مقالہ نگار بہتر جانتا ہے کہ اسے اپنا مقالہ کس ہیئت میں پیش کرنا چاہیئے۔

ہر دو باتیں سو فی صد حد تک غلط ہیں۔ انھیں کسی قسم کی ترمیم و اضافے کے ساتھ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ کوئی قرطاسِ طرز (Style Sheet) تیار ہی نہ کیا جائے اور یہ بھی نہیں کہ مقالہ نگار یا تحقیق کار کے علمی مقام اور مرتبے سے انکار کیا جائے۔''

تحقیق کے میدان میں کئی طرح کے قرطاس تحقیق استعمال ہو رہے ہیں، اس سلسلے میں کیا کیا جائے لکھتے ہیں: (۶:۴۱۶)

''سوال یہ ہے کہ اُردو کے لیے ان میں سے کون سی ہیئت یا قرطاس استعمال کیا جائے۔ جواب سادہ سا ہی ہے کہ ہیئت کوئی بھی استعمال ہو، نئی وضع کی جائے یا کسی جامعہ کی طے شدہ اور مقررہ اصولوں کے مطابق رکھی جائے، پورے مقالے میں اس کی یکسانیت کا پایا جانا ضروری ہے تا کہ قاری کو کسی قسم کی اُلجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ صرف یہ ملحوظ رہے کہ کتاب یا مقالے کا نام جلی یا خط کشیدہ ہو، رسالے کا نام نسخ یا واوین کے اندر یا ترچھے (Italic) حروف میں ہو۔ ہر اندراج کو کامے سے علیحدہ کیا جائے۔ بعض اس کے لیے وقفہ (Full Stop) کی سفارش کرتے ہیں لیکن اُردو میں یہ مناسب نہیں کیونکہ اُردو میں وقفہ چھوٹی لکیر ہوتا ہے نقطہ نہیں ہوتا۔''

اس ضمن میں وہ لکھ چکے ہیں کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ پورے ملک میں ایک سی ہیئت اختیار کی جائے۔ ہر شعبہ، ادارہ یا جامعہ اپنا طریق کار بہت غور و خوض کے بعد مقرر کر سکتا ہے۔ دیگر ہیئتیں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہیں' (۶:۴۰۲)

قرطاس تحقیق کے لیے کئی طرح کے سافٹ ویر بھی آ چکے ہیں۔ اس کی وضاحت یوں کی ہے: (۶:۴۱۴)

''مائیکرو سافٹ نے ایک **Manual of Style** 1995ء میں شائع کیا تھا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1998ء میں اور تیسرا ایڈیشن جون 2004ء میں شائع کیا۔ یہ کمپیوٹر کے ذریعے طرزِ ہیئت استعمال کرنے کا معیاری سافٹ ویر ہے۔ اس میں گرامر کے بھی اصول اور ایڈیٹر بھی دیے گئے ہیں۔''

اس کی تشریح میں مزید لکھتے ہیں: (۶:۴۲۰)

''مائیکرو سافٹ رہنمائے طرز اس دستور العمل کے تیسرے ایڈیشن (جون 2004ء) میں زیادہ وسعت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے مفید ہے جو دستاویز کی تیاری کمپیوٹر کے ذریعے کرتے ہیں۔ اس میں مطلوبہ معلومات ڈال دی جاتی ہیں اور یہ سافٹ ویر انھیں خود بخود قرطاسِ طرز کے مطابق ڈھال دیتا ہے۔ یہ برقیاتی اور کتابی دونوں صورتوں میں موجود ہے۔ اس میں معیاری انگریزی اور طرز کی رہنمائی بھی ملتی ہے۔

بہتر ہے کہ جرائد اپنا مواد انٹرنیٹ پر بھی مہیا کریں۔''

اثراتی عامل (Impact factor) کو ذرا تفصیل سے دیکھنا ہوگا، مثلاً: 'اثراتی عامل اس تعدّد کو کہتے ہیں جو کسی عام تحقیقی مقالے کے حوالہ جات کسی خاص سال یا عرصے میں دوسرے مقالوں/ جریدوں میں آنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے لیے عام طور پر:

۱۔   **تبصراتی مقالے** (Review Article) دیکھے جاتے ہیں۔ ان کی اہمیت تحقیقی مقالے سے زیادہ ہے۔ کیونکہ ان میں مقالوں

کا جائزہ آ جاتا ہے۔

اثراتی عامل معلوم کرنے کا فارمولا مثلاً:

(الف) ۱۹۹۲ء کے کل حوالے

(ب) ۱۹۹۲ء میں ۹۱-۱۹۹۰ء میں شائع کرنے والے مقالوں کے حوالہ جات۔

(ج) ۹۱-۱۹۹۰ء میں شائع ہونے والے مقالوں کی تعداد

(د) ب تقسیم ج=۱۹۹۲ء کا اثراتی عامل

مختلف مضامین کا تنوع: ہر مضمون کے تحقیقی مقالوں کے اثرات مختلف ہوتے ہیں۔اس لیے ہر مضمون کا الگ الگ جائزہ لیا جاتا ہے۔

۲۔ **پانچ سال تک کا جائزہ** لینا زیادہ مفید ہوتا ہے۔فارمولا کچھ یوں ہے۔:

(الف) ۱۹۹۲ء میں ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۱ء تک کے مقالات کے حوالوں کا جائزہ

(ب) ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۱ء کے دوران میں شائع ہونے والے مقالات

(ج) الف تقسیم ب = پانچ سالہ اثراتی عامل۔

۳۔ **ذاتی حوالہ جات کو نظر انداز کرنے کے لیے** نظر ثانی شدہ اثراتی عامل:

(الف) ۹۱-۱۹۹۰ء میں شائع شدہ مقالوں کے حوالہ جات ۱۹۹۲ء میں

(ب) ۹۱-۱۹۹۰ء میں شائع شدہ مقالوں کے ذاتی حوالہ جات ۱۹۹۲ء میں

(ج) الف تقسیم ب =کل حوالہ جات منفی حالیہ مقالوں کے ذاتی حوالہ جات۔

(د) ۹۱-۱۹۹۰ء میں شائع شدہ مقالات کی تعداد

(ر) نظر ثانی شدہ اثراتی عامل (ج تقسیم د)

۴۔ **عنوان کی تبدیلی سے یکساں اثراتی عامل کا جائزہ:**

فارمولا:

(الف) ۱۹۹۲ء میں ۹۱-۱۹۹۰ء میں شائع شدہ مقالوں کے حوالہ جات (الف ۱+ الف ۲)

الف ۱= نئے عنوان کے ساتھ

الف ۲= بعد کے عنوانات کے تسلسل کے ساتھ

(ب) ۹۱-۱۹۹۰ء میں شائع شدہ مقالات (ب ۱+ ب ۲)

ب ۱= نئے عنوان کے ساتھ

ب ۲= بعد کے عنوانات کے تسلسل کے ساتھ

(ج) یکساں اثراتی عامل (الف تقسیم ب)

ج ۱= الف ۱ تقسیم ب ۱

ج ۲=   الف ۲تقسیم ب۲

اثراتی عامل تحقیقی جرائد کی افادیت اور اثرات جاننے کا مفید آلہ ہے۔ بس اس میں ذاتی اور تبدیلی، تنوع اور فریب کے عناصر اور عوامل کو ملحوظ رکھنا ہوگا تاکہ اثرات کا صحیح ترین جائزہ لیا جاسکے۔ صرف اثراتی عامل ہی اُردو کے تحقیقی جرائد کو تحقیق کی دنیا میں تسلیم کرا سکتا ہے۔ اُردو کے تحقیق کار اس بات کو جتنا جلد سمجھ جائیں اتنا ہی بہتر ہے۔ اثراتی عامل کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی تشریح کرتے ہیں: (۴۳۲:۶)

''تحقیقی مقالے کی اشاعت کے بعد خواہ وہ نجی طور پر شائع ہو یا تحقیقی مرکز یا جریدے میں، ہر تحقیق کار، مدیر جریدہ اور منتظم ادارہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اگلے برسوں میں اس اشاعت کے اثرات (Impact) کا جائزہ لے اور یہ جائزہ بھی مسلسل شائع ہو۔ اگلے کاموں/ اشاعتوں میں اس کا تذکرہ ہو سکتا ہے۔ تحقیقی جریدے کے مدیر کا کام یہ ہے اور خاص طور پر اردو اور پاکستانی زبانوں میں کی گئی تحقیق کے حوالے سے اثرات کا مطالعہ (Impact Study) خود ہی کرنا پڑے گا۔

عالمی سطح پر اثری عامل (Impact Factor) کا مطالعہ ISI جیسا ادارہ کرتا ہے۔ یہ ادارہ انسٹی ٹیوٹ فار سائنٹیفک انفارمیشن کے نام سے ۱۹۶۰ء سے کام کر رہا ہے۔ یہ سالانہ رپورٹ شائع کرتا ہے اور معلوم کرتا ہے کہ کسی تحقیقی جریدے اور اس میں شائع ہونے والے مقالات کا حوالہ کس حد تک دوسرے تحقیقی مقالوں میں آیا اور ان کے اثرات کس حد تک پڑے۔ اس ادارے میں اپنے اثرات بڑھانے کا طریقہ یہی ہے کہ اپنے تحقیقی مقالوں کے اثرات کا اشاریہ مرتب کر کے پیش کیا جاتا رہے۔ اس اثری مطالعے سے تحقیق کار اور مدیر کسی تحقیقی مقالے اور جریدے کے تحقیقی مقام اور علمی جائزے کا اندازہ لگا سکتا ہے، اسے آگے بڑھا سکتا ہے یا آئندہ کے لیے پس پشت ڈال سکتا ہے۔

مدیر ''جریدہ'' کی یہ ادارتی ذمہ داری ہے کہ وہ اردو کے دس بیس چیدہ جرائد میں شائع ہونے والے مقالات میں اپنے جریدے کے حوالے تلاش کرے اور انھیں اپنے جریدے کی آئندہ اشاعت میں اشاریے کے طور پر شائع کرے۔ محض اسی سے تحقیق/تحقیقی مقالے/ جریدے کے ''وقیع'' ہونے کا ثبوت پیش ہو سکے گا۔ وگرنہ بزعم خویش ہر موضوع اور ہر تحقیق کار ''وقیع'' ہے اور یہی غیر سائنسی رویہ ہے جو اب اردو کے تحقیق کاروں میں نہیں ہونا چاہیے۔''

اس کی وضاحت ایک اور کتاب میں انہوں نے یوں کی ہے: (۳۹:۵ تا ۴۲)

''تحقیق کا علم اور ڈسپلن اپنے مخصوص تقاضے رکھتا ہے۔ اس میں لسانیات اور شماریات کو بھی استعمال کرنا ہوتا ہے اور اُردو کے شعبوں میں ان کا گزر تک نہیں۔ تحقیق اپنے اثرات (Impact) کے ذریعے سے یعنی اثرات کے مطالعے (Impact study) سے پہچانی جاتی ہے۔ اس کے لیے تحقیقی جرائد کے معیارات پر بات ہوتی ہے۔ ان کی اشاریہ بندی (Indexation) کی جاتی ہے، جس سے اثرات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر حافظ صفوان محمد چوہان جتنی بھی تشریح کر لیں، اُردو کا کوئی ایک تحقیقی جرنل عالمی سطح پر ابھی تک اپنا اثر نہیں جما پایا۔ ISI (بین

الاقوامی سائنٹیفک اطلاع) میں کسی کا اندراج نہیں۔ایک ڈاکٹر محمد عمر میمن کا انگریزی جریدہ Annual of Urdu Studies ہے،وہ بھی ابھی تک تراجم ہی کی بنیاد پر استوار ہے۔اُردو میں شائع ہونے والے تحقیقی جرائد اور رسالوں کی بات کریں۔ہائر ایجوکیشن کمیشن نے ان کے لیے پانچ شرائط(ISI کی) مقرر کر رکھی ہیں۔ابھی تک کوئی جریدہ ان پر پورا نہیں اتر رہا۔

تحقیقی جرائد کی جائزہ کاری ISI کا ایک اہم کام ہے۔وہاں ہر سال جرائد کی منظوری کی فہرست تبدیل ہوتی رہتی ہے۔تقریباً دو ہزار جرائد کا جائزہ لیا جاتا ہے اور ان کی دس فی صد تعداد منتخب ہوتی ہے تاکہ صرف اعلیٰ تحقیقی معیار رکھنے والے جرائد ہی شامل رہ سکیں۔اس جائزہ کاری کے اصول اور معیارات کچھ یوں ہیں:

۱۔معیارات:

(الف) **اشاعت کا دورانیہ:** جریدے کو طے کردہ دورانیے یا مدت میں مسلسل شائع ہوتے رہنا چاہیے۔کم از کم سابقہ تین شمارے وقت پر شائع ہوئے ہوں۔

(ب) **بین الاقوامی ادارتی روایات:** جریدے کا نام معلومات مہیا کرتا ہو،مقالے کا عنوان موضوع کو بیان کرتا ہو، خلاصے،کتابیات اور حوالہ جات موجود ہوں،ہر مصنف کا مکمل پتا اور معلومات دی گئی ہوں۔

(ج) **انگریزی میں عنوان اور خلاصہ:** مقالہ کسی بھی زبان میں ہو،عنوان اور خلاصہ انگریزی میں بھی ضرور دیا گیا ہو۔کلیدی الفاظ اور اصطلاحات کے انگریزی متبادلات موجود ہوں۔

(د) **معاصر (Peer) جائزہ:** دیگر ساتھی جرائد میں اس پر جائزے اور تبصرے کیے گئے ہوں۔

۲۔ادارتی مواد:

ایسے مواد پر مقالات جن پر پہلے کام نہ ہوا ہو۔ابھرنے والے نئے موضوعات پر جریدہ شائع ہوتا ہو۔

۳۔بین الاقوامیت:

جریدہ دوسرے ملکوں کے قارئین تک رسائی رکھتا ہو۔یعنی وہاں خریدار موجود ہوں۔

۴۔حوالہ جاتی تجزیہ:

جریدہ صرف اپنے میدان یا مضمون پر شائع ہو تو حوالہ جاتی تجزیہ آسان ہو جاتا ہے۔

عام طور پر پانچ سال اور زبان اور انسانیات کے موضوعات پر سات سات سال تک اثراتی عامل کا جائزہ لینا پڑتا ہے۔

پاکستانی جامعات میں تحقیق کی صورت حال کیا ہے اس کا جائزہ بھی ایک اور کتاب میں پیش کیا ہے:(۷:۴۸، ۴۹)

''پاکستانی یونیورسٹیوں کے تحقیقی مقام کا جائزہ ISI کے معاصر جائزہ (Peer Review) سے معلوم ہوتا ہے۔یہ جائزہ ہر سال ان کی ویب سائٹ ISI web of knowledge پر شائع کیا جاتا ہے۔اس میں سائنس، (SCI-Expanded)،سماجی علوم (SSCI)،فنون اور انسانیات (ادبیات) (A&HCI) کے حوالے سے

اثراتی مطالعہ (Impact Study) کا اشاریہ شائع ہوتا ہے۔ ۲۸ فروری ۲۰۱۱ء کو ہائر ایجوکیشن نے اخبار میں اشتہار دیا اور پاکستانی یونیورسٹیوں کے تحقیقی مقام کی فہرست شائع کی۔ اس کے مطابق پچھلے چار برسوں (۲۰۰۷ء، ۲۰۰۸ء، ۲۰۰۹ء اور ۲۰۱۰ء) میں تحقیقی لحاظ سے پہلے نمبر پر قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد تھی۔ ۲۰۰۷ء سے ۲۰۰۹ء تک جامعہ کراچی دوسرے نمبر پر تھی۔ ۲۰۱۰ء میں آغا خان یونیورسٹی کراچی دوسرے نمبر اور جامعہ کراچی تیسرے نمبر پر تھی۔ ۲۰۰۷ء سے ۲۰۰۹ء تک پنجاب یونیورسٹی تیسرے نمبر تھی مگر ۲۰۱۰ء میں چوتھے نمبر پر تھی۔ ۲۰۱۰ء میں پانچویں نمبر پر زرعی یونیورسٹی فیصل آباد، چھٹے نمبر پر کامسیٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹکنالوجی اسلام آباد، ساتویں نمبر پر گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور، آٹھویں نمبر پر سرگودھا یونیورسٹی آئی۔ ان پہلی دس یونیورسٹیوں میں سے کراچی، پنجاب، سرگودھا، جی سی لاہور اور پشاور کی یونیورسٹیوں میں اُردو کے شعبے موجود ہیں، مگر اس بات پر اُردو والوں کو خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ISI کی رپورٹ میں اُردو تحقیق کا کوئی اثراتی مطالعہ موجود نہیں۔ اس فہرست میں چوبیس ایسے ادارے شامل ہیں جن میں اُردو کی تدریس ہوتی ہے مگر ان کے اس تحقیقی درجے میں اُردو کی کسی تحقیق کو بار حاصل نہیں۔ ان میں سے بہاالدین زکریا ملتان ۱۱ویں نمبر پر، سندھ (جام شورو) ۱۵ویں، اسلامیہ (بہاولپور) ۲۴ویں، جی سی (فیصل آباد) ۱۹ویں، ہزارہ (مانسہرہ) ۲۲ویں، وفاقی اردو (اسلام آباد) ۲۴ویں، بلوچستان (کوئٹہ) ۲۵ویں، بین الاقوامی اسلامی (اسلام آباد) ۲۷ویں، لاہور ویمن جی سی (لاہور) ۲۹ویں، گومل (ڈیرہ اسماعیل خان) ۳۰ویں، آزاد جموں کشمیر (مظفر آباد) ۳۲ویں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (اسلام آباد) ۳۳ویں، ایف سی سی (لاہور) ۴۰ویں، گجرات (گجرات) ۴۲ویں، شاہ لطیف (خیر پور) ۵۹ویں، اسلامیہ کالج (پشاور) ۶۴ویں، ایجوکیشن (لاہور) ۷۰ویں، نمل (اسلام آباد) ۷۵ویں، بیکن ہاؤس (لاہور) ۹۰ویں نمبر پر ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اُردو کے حوالے سے اس جائزے میں شامل نہیں۔ گویا اُردو تحقیق ابھی کسی عالمی مقام پر موجود نہیں۔

تحقیقی مقالے یا رپورٹ کی منزل کی ایک بار پھر نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (۶:۴۵۴)

''تحقیقی رپورٹ اپنے مندرجات، عبارت، اندازِ پیشکش کے لحاظ سے عام نگارشات سے مختلف اور مذکورہ نکات کی حامل ہوتی ہے۔ اسی سے مقالے کی علمی شان پیدا ہوتی ہے۔ رہی انتقادی بصیرت یا دانش اور فکری عمق اور گہرائی کی بات تو اس سلسلے میں کسی قسم کی معروضی ہدایت تحقیق کار کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ یہ اس کی ذاتی اہلیت، محنت، مشق اور تجربے پر منحصر ہے کہ وہ کس بلند علمی سطح تک جا سکتا ہے اور کتنا وقیع تحقیقی کام پیش کر سکتا ہے۔ عالمانہ انتقاد تحقیق کی آخری منزل ہے۔ ادبی گُرو سے اسی کی توقع ہوتی ہے۔''

کتاب اصولِ ادبی تحقیق کے آخر میں اُردو کے تحقیق کاروں کے لیے ایک نصیحت بھی درج ہے۔ (۶:۴۶۸)

''کوتاہ عمری، بے صبری اور غریبی تحقیق کے دشمن ہیں۔۔۔ ہر ماں کو اپنا ہی بچہ سب سے زیادہ خوب صورت لگتا ہے۔ اُردو کے محققین اپنے زعم میں خود کو ماؤں کے خوب صورت بچے نہ ٹھہرائیں۔ اُردو تحقیق کے گُرو کو ابھی پیدا

ہونا ہے۔ اُردو زبان اسی کی منتظر ہے۔ شرط جدید رسمیاتِ تحقیق پر عبور کی ہے۔‘‘

’’**ادبی اصول تحقیق**‘‘، تحقیقی اصولوں پر ان کی آخری کتاب ہے۔ کتاب کے دیباچے میں رقم طراز ہیں: (۹:۶)

’’اس موضوع پر یہ میری حتمی یا آخری پیشکش ہے۔ گویا ان مجموعی انداز میں کچھ کہنے کے لیے میرے پاس اب کچھ باقی نہیں رہا۔ ہاں انفرادی موضوعات یا مختلف ابواب کے عنوانات پر اساتذہ کو مزید تحقیق سے جزئیات نکھارنے کی ضرورت ہوگی۔ وقت اس کے تقاضے خود ہی سامنے لے آئے گا۔‘‘

حوالہ جات

۱۔ احسان اللہ خان، ڈاکٹر (۱۹۷۸ء)، **تعلیمی تحقیق اور اس کے اصول و مبادی**، بک ٹریڈ سینٹر، لاہور۔

۲۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر (۱۹۹۲ء)، **ادبی تحقیق کے اصول**، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۳۔ خلیق انجم، ڈاکٹر (۱۹۶۷ء)، **متنی تنقید**، ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔

۴۔ عطش دُرّانی، ڈاکٹر (۲۰۰۵ء)، **جدید رسمیات تحقیق**، اُردو سائنس بورڈ، لاہور۔

۵۔ عطش دُرّانی، ڈاکٹر (۲۰۱۰ء)، **اُردو کی لسانی ترقی (مسائل اور امکانات)**، شاخ زریں، اسلام آباد۔

۶۔ عطش دُرّانی، ڈاکٹر (۲۰۱۱ء)، اصولِ ادبی تحقیق، نذیر سنز ایجوکیشنل پبلشرز، لاہور۔

۷۔ عطش دُرّانی، ڈاکٹر (۲۰۱۱ء)، اُردو اور لسانی **پالیسی**، شاخ زریں، اسلام آباد۔

۸۔ گیان چند جین، ڈاکٹر (۱۹۹۷ء)، تحقیق کا فن، (طبع نو) مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء۔